ہیں۔ لیکن جس کام میں تسلسل اور دوام ہو اور جو پیہم کیا جائے اصل میں وہی پائیدار بھی ہوتا ہے اور اسی کے نتیجے میں کوئی حقیقتاً موثر اور وقیع کام سرانجام پاسکتا ہے۔ میں نے اس سالانہ اجتماع کے دوران بھی اس ضمن میں دو الفاظ ایک انگریزی محاورے کے حوالے سے استعمال کئے تھے :i) Slow اور ii) Steady۔ ہمارے اب تک کے کام پر یہ دونوں الفاظ منطبق ہوتے ہیں۔ اور اس میں یقیناً ہمارے لئے اطمینان بلکہ بشارت کا بہت کچھ سامان موجود ہے اور ہمیں اس پر تہہ دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

اسی طرح ایک اور شکر کے لائق بات یہ ہے کہ اس بیس سال کے عرصے میں کوئی ہنگامہ برپا نہیں ہوا' کوئی بڑا اختلاف رونما نہیں ہوا۔ انجمنوں کی زندگیوں میں بڑے بڑے طوفان آتے ہیں' بڑے اختلافات اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں کہ پھر بعض اوقات ادارے کی بساط تک لپیٹنے کی نوبت آجاتی ہے' اس لئے کہ عام طور پر انجمنوں کا نظام بڑا ڈھیلا ڈھالا ہوتا ہے' اس میں بالعموم کچھ سرکردہ شخصیتوں کا ٹکراؤ ہوجایا کرتا ہے اور باہم کھینچ تان عام طور پر جاری رہتی ہے جو نہایت مضر اثرات کی حامل ہوتی ہے۔ الحمد للہ' ثم الحمد للہ کہ ہمارا یہ ادارہ اس نوع کی خرابیوں سے بالکل محفوظ رہا۔ یہ قرآن اکیڈمی انجمن کی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز رہی ہے اور یہاں آس پاس کے رہنے والے بخوبی واقف ہیں کہ ایسا کوئی ناخوشگوار واقعہ الحمد للہ یہاں پیش نہیں آیا۔ گزشتہ بیس سالوں کے دوران مرکزی انجمن کے کسی بھی فنکشن میں' خواہ وہ عمومی اجلاس ہو اور خواہ مجلس منتظمہ کی خصوصی میٹنگ ہو' کبھی کوئی تلخی نہیں ہوئی' کبھی کسی تو تکار کی نوبت نہیں آئی۔ یہ اللہ کا بہت بڑا فضل و کرم ہے ------ شکر کے بارے میں میں نے بارہا اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ جب تک انسان کو پورا شعور حاصل نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر کتنا بڑا فضل اور انعام ہوا ہے' اس وقت تک اس کے متناسب اور Proportionate شکر ادا نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ادراک اور شعور کہ مجھ پر اللہ کا کتنا بڑا احسان اور کتنا عظیم فضل ہوا ہے' بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جتنا یہ شعور اور احساس گہرا ہوگا اتنی ہی گہرائی سے گویا کہ جذبۂ تشکر برآمد ہوگا اور اسی قدر قوت کے ساتھ یہ جذبۂ شکر ایک چشمہ کی مانند قلب کی گہرائیوں سے ابلے گا۔

کم و بیش اسی طرح کا معاملہ الحمد للہ کہ تنظیم اسلامی کا بھی ہے کہ کوئی بڑا اختلاف

اور اختشار وہاں بھی رونما نہیں ہوا۔ ظاہر بات ہے کہ انسانوں کی جماعت میں کچھ نہ کچھ لوگوں کا اختلاف کرنا یا اِکّا دُکّا لوگوں کا جماعت سے علیحدہ ہو جانا بالکل فطری امر ہے، کوئی بھی جماعت اس سے خالی نہیں رہی، یہاں تک کہ انبیاء کرام کی جماعتوں میں بھی ایسے لوگ نکل آتے تھے کہ جو ساتھ چھوڑ جاتے تھے تو تنظیم اسلامی کے اندر بھی اس طرح کے چند واقعات کا ہونا موجبِ حیرت یا باعثِ تشویش نہیں ہونا چاہیے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں کئی مواقع ایسے آئے کہ بعض لوگ متزلزل ہوئے یا ساتھ چھوڑ گئے۔ سیرت کی کتابوں میں یہ بات مذکور ہے کہ واقعۂ معراج کے بعد متعدد وہ مسلمان جو ابھی نئے نئے ایمان لائے تھے اور ایمان میں پختہ نہیں ہوئے تھے، متزلزل ہوگئے تھے۔ اسی طرح حضرت ام حبیبہؓ کے شوہر جو صاحبِ ایمان تھے اور اپنی اہلیہ سمیت حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے تھے، وہاں جا کر مرتد ہوگئے۔ یہی وجہ ہے کہ شوہر کے مرتد ہو جانے کے بعد حضرت ام حبیبہؓ چونکہ اس کے نکاح میں نہیں رہیں تو پھر حضورؐ نے ان کی دلجوئی کے لئے مدینہ منورہ سے نکاح کا پیغام بھجوایا، اس لئے کہ وہ قریش کے ایک بہت بڑے سردار ابو سفیان کی صاحبزادی تھیں۔ اور اس حوالے سے ان کا جو مقام و مرتبہ تھا اس کے پیش نظر حضورؐ نے مناسب سمجھا کہ خود نکاح کریں۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ حضورؐ کی طرف سے مہر بھی حضرت نجاشیؒ نے ادا کیا تھا۔ اس لئے کہ بوقت نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے اور حضرت ام حبیبہؓ ابھی حبشہ ہی میں تھیں، وہ پھر بعد میں مدینہ تشریف لائی تھیں۔

بہر حال میں نے یہ چند مثالیں دی ہیں کہ کچھ نہ کچھ لوگوں کی تو اسی طرح آمد و رفت رہتی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بہت کم تھی اور آج کے دور میں غلبہ و اقامتِ دین کے لئے جو بھی تحریک اٹھے گی اس میں یقیناً ایسے واقعات نسبتاً زیادہ ہوں گے، لیکن الحمد للہ تنظیم اسلامی کو قائم ہوئے سترہ برس ہو چکے ہیں، اس میں کوئی بڑا ہنگامہ یا کوئی بڑا اختلاف رونما نہیں ہوا، کسی بڑی تعداد میں لوگوں کی اس سے علیحدگی کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا، اور یہ چیز یقیناً ایسی ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ادراک اور شعور کرتے ہوئے کہ ہمارے اس کام کی رفتار گو کم رہی لیکن اس میں دوام، تسلسل اور تواتر رہا ہے، اپنے قلب کی گہرائیوں سے اللہ کا شکر ادا کرنا

© rasailojaraid

چاہیے۔ اس لئے کہ اگر یہ قافلہ اسی دوام اور تسلسل سے چلتا رہے تو میں سمجھتا ہوں کہ زیادہ پائیدار نتائج کے برآمد ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

توازن و اعتدال ـــــ ایک اہم وصف

دوسری بات جس پر ہمیں صمیم قلب کے ساتھ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور خاص طور پر میں اپنی ذات کے حوالے سے بار بار اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں' یہ ہے کہ جیسے ہماری تنظیم میں تسلسل اور تواتر موجود ہے اسی طریقے سے توازن اور اعتدال کا وصف بھی الحمد للہ یہاں پایا جاتا ہے۔ اور یہ وصف اپنی جگہ نہایت ضروری بھی ہے اور اہم بھی۔ اکثر تحریکوں میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مرحلے کے بعد جب دوسرے مرحلے میں وہ تحریک داخل ہوتی ہے تو پہلے مرحلے کی اہمیت نگاہوں سے اوجھل ہوجاتی ہے۔ جیسے ایک انسان جب سیڑھی کے ذریعے چھت پر چڑھ جائے تو پھر سیڑھی کی اہمیت اس کی نگاہ میں نہیں رہتی' اس لئے کہ جو مقصد اس سے حاصل کرنا تھا وہ حاصل کرلیا۔ الحمد للہ کہ ذاتی طور پر میں اس معاملے کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں نے دعوت رجوع الی القرآن کا جو کام شروع کیا تھا اس میں ابتدائی چھ سات برس میں نے تنہا کام کیا۔ انجمن خدام القرآن کا اُس وقت وجود نہیں تھا۔ اس کے بعد ۱۹۷۲ء میں یہ انجمن قائم ہوئی۔ پھر ۷۵ء میں تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آیا۔ تو درحقیقت یہ دو کام ہیں جو قریباً متوازی اور متساوی ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میری زندگی میں کس کو زیادہ اہمیت حاصل ہے بلکہ یہ کہنا شاید زیادہ مناسب ہوگا کہ ان کا معاملہ ایسے ہی ہے جیسے کہ ایک گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں۔ ان میں سے پہلے کام کا عنوان ہے "دعوت رجوع الی القرآن" جس کے لئے مرکزی انجمن خدام القرآن وجود میں آئی اور دوسرا کام جس کے لئے تنظیم اسلامی تشکیل دی گئی ہے' غلبہ و اقامتِ دین کی جدوجہد سے عبارت ہے۔ رفقاء و احباب جانتے ہیں کہ اب بھی میری توانائیوں کا کافی بڑا حصہ پہلے کام یعنی دعوت رجوع الی القرآن میں کھپ رہا ہے۔ ایسا نہیں ہوا کہ میں نے سمجھا ہو کہ اس کام کا تعلق تو میرے جہادِ زندگانی کے ابتدائی مرحلے سے تھا اور اب تو تحریک' تنظیم اور انقلاب ہی کی طرف مجھے پوری طرح متوجہ ہوجانا چاہیے۔ الحمد للہ کہ اس معاملے میں میرا طرزِ عمل توازن و اعتدال پر مبنی رہا ہے۔

.com
com

'اتمام نور' اور 'غلبہ دین حق' : گاڑی کے دو پہیے

اس سال ملتان میں دورۂ ترجمہ قرآن کے دوران پہلی مرتبہ میرا ذہن اس حقیقت کی جانب منتقل ہوا کہ قرآن مجید میں دو مقامات پر گاڑی کے ان دو پہیوں کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے۔ یہ محاورہ کہ گاڑی دو پہیوں پر چلتی ہے اس اعتبار سے بڑا معنی خیز ہے کہ اگر ایک پہیہ جام ہو جائے گا تو گاڑی گھومنے لگے گی' آگے نہیں بڑھے گی' دونوں پہیے چل رہے ہوں تو پھر گاڑی کے لئے ممکن ہو گا کہ وہ ایک خط مستقیم میں آگے کی طرف پیش قدمی کر سکے۔ گاڑی کے جن دو پہیوں کا میں نے ذکر کیا ہے ان کا تذکرہ سورۃ التوبہ میں بھی اور سورۃ الصّف میں بھی بالکل ساتھ ساتھ آیا ہے۔ سورۃ الصف کی یہ آیات تو اکثر حضرات کو یاد ہوں گی اور ان کا مفہوم بھی ذہن میں ہو گا:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ○ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ○

اور سورۃ التوبہ کے الفاظ یہ ہیں:

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ○ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ○

ذرا غور کیجئے' قرآن حکیم کے یہ دونوں مقامات اسلوب کے اعتبار سے کتنے مشابہ ہیں' بلکہ الفاظ بھی کم و بیش بالکل ایک سے ہیں' صرف پہلی آیت کے بعض الفاظ ایک دوسرے سے کچھ مختلف نظر آتے ہیں' ورنہ آیت کا مفہوم ایک ہی ہے۔ یہاں دو مقاصد کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا کہ یہ دو کام اب پورے ہو کر رہیں گے چاہے مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو اور چاہے کافروں کو کتنا ہی ناپسند ہو!! ایک مقصد ہے اتمامِ نور جس کے لئے سورۃ الصّف میں الفاظ آئے: وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ" کہ اللہ اپنے نور کا اتمام فرما کر رہے گا خواہ یہ بات کافروں کو کتنی ہی ناپسند ہو۔ اور دوسرا کام یا دوسرا

© rasailojaraid

مقصد اگلی آیت میں بیان ہوا جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو اس لئے بھیجا ہے کہ وہ دین حق کو غالب کرے خواہ یہ چیز مشرکوں کو کتنی ہی ناپسند ہو! ---- یہ بات سورۃ التوبہ میں بھی بعینہٖ انہی الفاظ میں آئی ہے' ایک شوشے کا بھی فرق نہیں ہے: "هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ○"

پہلی آیت میں تھوڑا سا لفظی فرق موجود ہے۔ سورۃ الصف میں فرمایا: "يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا" جبکہ سورۃ التوبہ میں "يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا" کے الفاظ آئے۔ یعنی ایک حرفِ ناصب کی جگہ دوسرا حرفِ ناصب آگیا۔ اسی طرح سورۃ الصف میں "وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ" کے الفاظ ہیں جبکہ سورۃ التوبہ میں اسی مفہوم کو "وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ" کے الفاظ میں بیان فرمایا گیا' جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ بہرطور اپنے نور کا اتمام فرما کر رہے گا' خواہ یہ کافروں کو کتنا ہی ناپسند ہو!

گاڑی کے انہی دونوں پہیوں کو جمع کیا گیا سورۃ المائدہ کی اس عظیم آیت میں جو بڑی مشہور ہے اور جس کے بارے میں یہود کے بعض علماء نے کہا تھا کہ اے مسلمانو' یہ آیت جو تمہیں عطا ہوئی ہے اگر ہمیں عطا ہوتی تو ہم اس کے یوم نزول کو اپنا سالانہ جشن اور سالانہ عید قرار دیتے۔ اس آیت کے الفاظ پر توجہ کو مرکوز کیجئے۔ فرمایا: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" ---- وہی دونوں چیزیں یہاں جمع کر دی گئیں: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" کہ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے "دین" کو کامل کردیا' یعنی وہ دین حق جس کا غلبہ و اظہار بعثت محمدیؐ کا اصل مقصد ہے' آج مکمل ہو گیا' وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرمادیا۔ اس سے مراد ہے نورِ ہدایت کا اتمام اور تکمیل جس کا ذکر سورۃ الصف میں "مُتِمُّ نُوْرِهٖ" کے الفاظ میں وارد ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ اتمامِ نور یعنی اتمامِ ہدایت ہی درحقیقت اتمامِ نعمت ہے۔ گویا اصل نعمت ہے ہی نعمتِ ہدایت! دنیا کی کوئی شے نعمت نہیں ہے جب تک کہ نعمتِ ہدایت اس کے ساتھ شامل نہ ہو۔ نعمتِ ہدایت کے بغیر دولت' صحت' اولاد' اقتدار غرضیکہ کوئی شے نعمت نہیں ہے بلکہ یہ سب عذاب کا موجب بن جانے والی چیزیں ہیں' ان کا غلط استعمال انسان کو ہلاکت و بربادی سے

دوچار کرے گا۔ ہاں اگر ہدایت ہو تو اولاد بھی نعمت ہے، پھر دولت بھی ایک عظیم نعمت ہے کم نہیں کہ انسان اسے زیادہ سے زیادہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا، اسی طرح ہدایت اگر ہو تو صحت بھی نعمت ہے کہ انسان اللہ کے دین کے لئے بھاگ دوڑ کرے گا، محنت اور مجاہدہ کرے گا۔ نعمتِ ہدایت کے ساتھ ذہانت بھی ایک نعمت شمار ہوگی کہ اس کا استعمال اللہ کے دین کے لئے ہوگا ورنہ یہی ذہانت انسان کو Evil Genius بنادے گی اور انسان کی اخروی تباہی کا ذریعہ بن جائے گی۔ تو معلوم ہوا کہ اصل نعمت ہے نعمتِ ہدایت!

ایک قابل لحاظ فرق

اب یہ بات نوٹ کیجئے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو نورِ ہدایت بھی مکمل ہوگیا اور دین حق کا غلبہ و اظہار بھی سرزمین عرب تک مکمل ہوگیا، گویا گاڑی کے یہ دونوں پہیے مساوی انداز میں ساتھ ساتھ چلتے اور بڑھتے رہے، لیکن حضورؐ کے دَور کے بعد ان دونوں چیزوں کے درمیان ایک فرق واقع ہوگیا۔ اس فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

دیکھئے اتمامِ نور تو ہوا قرآن کی شکل میں کہ ۲۳ برس میں قرآن حکیم کا نزول مکمل ہوا اور اسطرح اتمامِ نور ہوگیا اور اس نور کو محفوظ کرلیا گیا قیامت تک کے لئے کہ اس میں اب کہیں کوئی تحریف نہیں ہو سکتی۔ لیکن اقامتِ دین کے مرحلہ کی تکمیل کا کام جس کے لئے سورۃ الصف میں "اظہار دین الحق علی الدّین کلّہٖ" کی اصطلاح آئی ہے، حضورؐ کے زمانے میں ایک حد تک ہو گیا تھا کہ اندرونِ ملک عرب دین حق کا پرچم لہرانے لگا۔ پھر دور خلافتِ راشدہ میں اسکی توسیع بڑے بھرپور انداز میں ہوئی لیکن پھر ایک وقت آیا کہ یہ عمل رک گیا، بلکہ رفتہ رفتہ دین کی یہ عالیشان عمارت منہدم ہونے لگی یہاں تک کہ بالکل زمیں بوس ہوگئی۔ اب صورت یہ ہے کہ اسلام محض ایک مذہب کے طور پر تو باقی ہے لیکن دین حق اور نظام اسلام اپنی صحیح صورت میں زمین کے کسی ایک خطے میں بھی قائم و نافذ نہیں، اور اب غلبہ و اقامتِ دین کی جدوجہد ہمیں از سرنو کرنی ہوگی ـــــ تو یہ ہے وہ بڑا فرق جو اس معاملے میں واقع ہوا کہ دونوں کام جو نبی اکرم صلی

© rasailojaraid

اللہ علیہ وسلم کے دور میں گاڑی کے دو پہیوں کی مانند ساتھ ساتھ چل رہے تھے' بعد میں ہم آہنگ نہ رہ سکے۔

اتمامِ نور کے ضمن میں ہماری ذمہ داری

جہاں تک نور ہدایت کے اتمام کا تعلق ہے ہم مسلمانوں کے لئے یہ کتنی بڑی سہولت ہے کہ ہمیں پورا یقین اور اعتماد ہے کہ اس "کتاب" میں جو کچھ ہے وہ اللہ کا کلام ہے اور اس کا ایک حرف بھی ضائع نہیں ہوا۔ اس لئے کہ اسکی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لیا ہے: "اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ" (ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اسکی حفاظت کرنے والے ہیں)۔ قرآن حکیم اپنی جگہ خود بھی اللہ کی عظیم ترین نعمت ہے اور اللہ کا مزید فضل و کرم ہم پر یہ ہوا کہ اسکی حفاظت کا ذمہ بھی اس نے لے لیا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمیں اس نعمت کی قدر نہیں ہے اور ہم دنیا کی حقیر سی چیزوں کو اس نعمتِ عظمیٰ پر ترجیح دیتے ہیں' بہرکیف پہلے کام یعنی "اتمامِ نور" کے ضمن میں ہمارے ذمّے صرف ایک کام باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ نورِ ہدایت موجود ہے' اسے عام کیا جائے' اس کا افشاء کیا جائے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ چراغ جلا کر بلندی پر رکھا جاتا ہے' اسے نیچے کہیں چھپا کر نہیں رکھا کرتے۔ چراغ اگر بلندی پر ہوگا تو ماحول کو منور کرے گا' اسکی روشنی پھیلے گی۔ تو نور ہدایت کا عام کرنا' اس سے ماحول کو منور کرنا اور اس کا افشاء کرنا ہمارے ذمے ہے۔ یہی بات اس حدیث نبوی میں آئی ہے جو حضرت عبیدہ ملیکی سے مروی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "یَا اَھۡلَ الۡقُرۡاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الۡقُرۡاٰنَ" اے قرآن والو' قرآن کو تکیہ نہ بنا لینا' اسے محض ذہنی سہارا نہ بنا لینا۔ بلکہ: "وَاتۡلُوۡہُ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ اٰنَاءَ اللَّیۡلِ وَالنَّھَارِ" اس کی تلاوت کیا کرو جیسے کہ اس کی تلاوت کا حق ہے' رات اور دن کے اوقات میں۔ "وَاَفۡشُوۡہُ" اسے عام کرو' اسے پھیلاؤ' چہار دانگ عالم تک اس کا نور پہنچا دو!

اسی بات کا ایک منطقی نتیجہ اور بھی نکلتا ہے جس کا ذکر عظمتِ قرآن کے بیان میں اس طویل حدیث میں آیا ہے جس کے راوی حضرت علیؓ ہیں۔ اس میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: "وَمَنِ ابۡتَغَی الۡھُدٰی مِنۡ غَیۡرِہٖ اَضَلَّہُ اللّٰہُ" کہ جو شخص اس قرآن کو چھوڑ کر کہیں

com

اور سے ہدایت تلاش کرے گا اللہ اسے لازماً گمراہ کردے گا۔ جب ہدایت و رہنمائی کا اتنا حتمی اور یقینی منبع و سرچشمہ اور اتنا مکمل source (ذریعہ) تمہارے پاس موجود ہے، تو اس کے ہوتے ہوئے ہدایت و رہنمائی کے لئے دائیں بائیں دیکھنا گویا انتہا درجے کی نا قدری ہی نہیں قرآن مجید کی توہین کے مترادف ہے۔ البتہ اس کا یہ مفہوم سمجھنا بھی درست نہ ہوگا کہ قرآن کے سوا کچھ اور پڑھنا ہی نہیں چاہیے! اور چیزوں کا مطالعہ کیجئے، تورات پڑھئے، انجیل پڑھئے، لیکن انہیں منبع و سرچشمۂ ہدایت سمجھ کر نہیں بلکہ محض اپنی معلومات میں اضافے کے لئے ان کا مطالعہ کیجئے۔ وہ اسی کتاب ہدایت کے سابقہ ایڈیشن ہیں جس کا تکمیلی ایڈیشن قرآن حکیم ہے۔ اسی طرح دوسرے علوم بھی اپنی معلومات میں اضافے کے لئے پڑھے جا سکتے ہیں بلکہ دوسرے علوم کو قرآن مجید کے فہم کا ذریعہ سمجھ کر سیکھیئے اور پڑھیئے۔ اس لئے کہ انسانی ذہن کا ظرف جتنا وسیع اور کشادہ ہوگا اسی کی مناسبت سے قرآن مجید سے ہدایت اور علم و معرفت کے موتی انسان اپنے دامن میں سمیٹ سکے گا۔ دامن ہی اگر تنگ ہو تو انسان کے حصے میں حکمت و معرفت کے موتی بھی پھر کم ہی آئیں گے۔ ع "پھول کھلے ہیں گلشن گلشن، لیکن اپنا اپنا دامن!" قرآن مجید کے اندر تو ہدایت، علم اور معرفت کی کوئی کمی نہیں، ان کے جواہر سے یہ معدن بھرا پڑا ہے لیکن تمہاری اپنی تنگ دامانی آڑے آجائے تو اس کا کیا علاج!

واضح رہے کہ دوسرے علوم کے ذریعے سے قرآن مجید کی حقانیت کا مزید مبرہن ہو جانا خود قرآن مجید سے ثابت ہے۔ سورۃ حٰم السجدہ میں فرمایا: "سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ" کہ ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے، آفاق میں بھی اور انفس میں بھی، حتیٰ کہ یہ بات بالکل واضح ہوجائے گی کہ یہ قرآن مجید ہی سرا سر حق ہے۔ گویا کہ جتنا انسان کے علم کا دائرہ وسیع ہوگا قرآن مجید کی حقانیت اسی درجے میں مزید مبرہن ہوجائے گی، اسی قدر اس کا اثبات زیادہ ہوگا۔ اِن اعتبارات سے دوسرے علوم سے اعتناء کرنے یا ان سے دلچسپی رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن ایک بندۂ مومن کیلئے لازم ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ منبع ہدایت سوائے قرآن کے اور کوئی نہیں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وارننگ ہمیشہ اس کے پیش نظر رہنی چاہئے کہ: "وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى مِنْ غَيْرِهٖ أَضَلَّهُ اللّٰهُ"

© rasailojaraid

خلاصۂ کلام یہ کہ اس اعتبار سے تو اتمامِ نور ہوگیا کہ قرآن حکیم کا نزول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوا اور اللہ نے قیامت تک کے لئے اس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا لیکن اس ضمن میں ایک کام ہمارے ذمے باقی ہے اور وہ ہے اس نورِ ہدایت کا عام کرنا جس کے لئے حدیث میں "وَ اَفْشُوہُ" کا لفظ آیا تھا کہ اسے پھیلاؤ اور عام کرو ـــــ اور یہ افشاء ہر سطح پر ہوگا' عوام کی سطح پر بھی اسے پھیلانا ہوگا اور خواص کی سطح پر بھی' فلسفیوں اور دانشوروں تک بھی۔ اس کے ابلاغ کا حق ادا کرنا ہوگا اور شریر اور جھگڑالو لوگوں پر بھی مجادلۂ حسنہ کے ذریعے حجت قائم کرنی ہوگی۔ یہ سب افشاء ہی کی مختلف سطحیں ہیں!

گاڑی کا دوسرا پہیہ : غلبہ دین کی جدوجہد

اس گاڑی کا جو دوسرا پہیہ ہے یعنی غلبۂ دینِ حق' اس کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک حضور پاکؐ کی حیاتِ طیبہ میں "وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ" کی شان ظاہر ہوئی اور دین حق کا غلبہ ملکِ عرب کی حد تک مکمل ہوگیا۔ پھر خلافتِ راشدہ کے دوران کرۂ ارضی کے ایک بہت بڑے رقبے پر دین حق غالب و نافذ ہوا اور اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ لیکن پھر اس معاملے میں زوال کا آغاز ہوگیا اور تدریجاً زوال کے سائے گہرے ہوتے چلے گئے۔ یوں سمجھئے کہ سب سے پہلے قصرِ اسلام کی چھٹی منزل گری' پھر پانچویں منزل منہدم ہوئی' پھر چوتھی اور پھر تیسری' اور اس طرح آج سے قریباً ڈیڑھ دو سو برس قبل پوری عمارت زمین بوس ہوگئی۔ چنانچہ اب اس کی تعمیر از سرنو کرنی ہوگی۔ بہر کیف اس وقت صرف اسی نکتے کی جانب متوجہ کرنا مقصود تھا کہ یہ دو کام بالکل متوازی (Parallel) ہیں' قرآن مجید نے دونوں مقامات پر یعنی سورۃ التوبہ اور سورۃ الصف میں ان دونوں کو باہتمام یکجا بیان کیا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلنا چاہیے کہ ان دونوں کاموں کو متوازی اور متساوی انداز میں آگے بڑھایا جائے۔ ان میں توازن و اعتدال برقرار رہنا چاہیے اور اس پر بھی میں اللہ کا جتنا شکر ادا کروں' کم ہے کہ اس کے فضل و کرم کے طفیل یہ دونوں چیزیں ہمارے یہاں بالکل متساوی اور متوازی شکل میں چل رہی ہیں۔ مرکزی انجمن خدام القرآن اور اس کے تحت قائم ہونے والی قرآن اکیڈمی اور اسی طرح

ذیلی انجمنیں اور ذیلی اکیڈمیاں جو وجود میں آرہی ہیں یہ سب درحقیقت ہماری گاڑی کے ایک پہیے کے مظاہر ہیں جو الحمد للہ نہ صرف یہ کہ ایک تسلسل کے ساتھ رواں دواں ہے بلکہ اس کی رفتار میں بتدریج اضافہ بھی ہو رہا ہے۔ دوسرا پہیہ تنظیم اسلامی سے عبارت ہے جس کی حرکت کو تیز کرنے کے لئے ہم نے تحریکِ خلافت کا عنوان اختیار کیا ہے۔ لیکن تنظیم اسلامی اور تحریکِ خلافت اصلاً ایک ہی کام کے دو گوشے یا دو مرحلے ہیں اور اس تمام تر کام کا ہدف ایک ہی ہے اور وہ ہے دینِ حق کا غلبہ و اقامت۔ توفی الاصل کام دو ہی ہیں جو ایک دوسرے کے متوازی اور Parallel ہیں۔ ایک ہے رجوع الی القرآن کی دعوت جس کے لئے مرکزی انجمن سرگرم عمل ہے اور دوسرا ہے اقامت دین کی جدوجہد جس کے لئے تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت بر سر عمل ہیں۔

تحریک رجوع الی القرآن کا تسلسل برقرار رہے گا!

ایک اور لائق شکر اور قابل اطمینان پہلو

تیسری بات کہ جس پر میں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہتا ہوں اور جس کا بارہا میں نے ذکر بھی کیا ہے، وہ یہ کہ اس کام کے باقی اور جاری رہنے کا اہتمام اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہو گیا ہے۔ مجھے اپنی زندگی میں یہ نظر آرہا ہے اور مجھے یہ اطمینان حاصل ہے کہ اس کام کا تسلسل ان شاء اللہ برقرار رہے گا۔ یہ بھی یقیناً اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔ ورنہ بعض بڑی نامور ہستیاں ایسی ہو گزری ہیں کہ جنہوں نے اپنی زندگیوں میں بڑے بڑے کام کر کے دکھائے لیکن ان کے جانے کے بعد اس کام کا تسلسل قائم نہیں رہ سکا۔ ایک آدمی منظر سے ہٹا اور کام ختم ہو گیا۔ تو میرے لئے یہ بات بڑے اطمینان کی ہے اور اس پر بھی میں جتنا اللہ کا شکر ادا کروں کم ہے اور میرے ساتھیوں کو بھی اس پر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہیے۔ بالخصوص یہ جو بنیادی کام دعوت رجوع الی القرآن کا ہے اس کے حوالے سے میں سمجھتا ہوں کہ بحمد اللہ اب ایک نسلِ ثانی ایسی تیار ہو چکی ہے اور کم و بیش چالیس پچاس نوجوانوں پر مشتمل ایک ٹیم ایسی وجود میں آچکی ہے جو درسِ قرآن کے اس تسلسل کو ان شاء اللہ برقرار رکھے گی جس کا میں نے کبھی ۶۵ء میں آغاز کیا تھا۔ مجھے اطمینان ہے کہ دروس قرآن کے حوالے سے قرآن کا انقلابی فکر اور اس کا صغریٰ کبریٰ ان کے

© rasailojaraid

ذہن و فکر کی گرفت میں آچکا ہے' اس میں جو منطقی ترتیب (Logical Sequence) ہے اسے انہوں نے خوب اچھی طرح سے سمجھ لیا ہے اور وہ اب اس قابل ہیں کہ اسے بیان بھی کر سکیں۔ ظاہر بات ہے کہ صلاحیتِ بیان میں نکھار تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور اس صلاحیت کو زیادہ سے زیادہ بروئے کار لانے ہی سے پیدا ہوگا۔ لیکن اصل شے بنیادی فکر اور اس کے طرزِ استدلال کا ذہن کی گرفت میں آنا ہے جو الحمد للہ انہیں حاصل ہے۔ اس کے بعد تو پھر اپنی اپنی محنت اور کوشش ہے۔ اس فکر قرآنی کو عام کرنے اور بیان کرنے میں جتنی محنت اور جس درجے پیہم کوشش ہوگی اسی نسبت سے ان کی صلاحیت نکھرے گی۔ چنانچہ گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر میرا کوئی درس قرآن نہیں ہوا بلکہ درس قرآن میرے نوجوان ساتھیوں نے دیا۔ اس سال بھی انہی نوجوان ساتھیوں نے سالانہ اجتماع میں قرآن حکیم کا درس دیا۔

ذیلی انجمنوں اور ان کے تحت اکیڈمیز کا قیام

اسی طرح یہ بات بھی بڑی خوش آئند اور لائق تشکر ہے کہ مرکزی انجمن کی کوکھ سے اب تک کئی منسلک اور ذیلی انجمنیں برآمد ہو چکی ہیں۔ اس سال ۲۰ر اپریل کو مرکزی انجمن کا جو اجلاس عام ہوا اس میں پہلی مرتبہ بہت سے حضرات کے سامنے یہ بات آئی ہوگی کہ پاکستان کے کئی شہروں میں مرکزی انجمن کے طرز پر منسلک انجمنیں قائم ہو چکی ہیں۔ یہ پہلی بار ہوا کہ ہمارے اس اجلاس عام میں ذیلی انجمنوں کے نمائندے بھی شریک ہوئے اور انہوں نے بھی اپنے اپنے علاقے کی انجمن خدام القرآن کا مختصر تعارف کرایا اور خدمتِ قرآنی کے میدان میں اپنی پیش رفت کا بھی اختصار کے ساتھ ذکر کیا۔ تو الحمد للہ کہ کئی ذیلی انجمنیں وجود میں آچکی ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ انجمنوں کے زیر اہتمام اکیڈمیوں کی تعمیر کا کام بھی شروع ہو چکا ہے۔ قرآن اکیڈمی کراچی کی نہ صرف یہ کہ تعمیر ایک حد تک مکمل ہو چکی ہے بلکہ وہاں دینی تعلیم کے ایک سالہ کورس کی تدریس کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ پہلی مرتبہ کسی کام کا شروع کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن ایک بار محنت کرنے سے جب ایک Pattern اور عملی نمونہ سامنے آجاتا ہے تو اس کام کا کرنا مشکل

نہیں رہتا۔ اس اعتبار سے ظاہر بات ہے کہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی تشکیل اور قرآن اکیڈمی کے قیام میں محنت بھی زیادہ صرف ہوئی اور وقت بھی بہت لگا۔ لاہور میں مسلسل پانچ چھ برس میں نے فکر قرآنی کی اشاعت کا کام تن تنہا کیا جس کے نتیجے میں ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن وجود میں آئی۔ پھر مزید پانچ سال بعد قرآن اکیڈمی کی پہلی اینٹ رکھنے کی نوبت آئی۔ عمارت کی تعمیر بھی مرحلہ وار ہوئی۔ آغاز میں صرف دفاتر یا رہائشی بلاک کی تعمیر عمل میں آئی۔ پھر کئی برس بعد جا کر قرآن اکیڈمی میں دینی تعلیم کے دو سالہ کورس کا آغاز ہوا۔ تو یہ داستان برسوں پر محیط ہے اس لئے کہ یہ کام پہلی بار ہو رہا تھا۔ لیکن اب جبکہ اس کام کا ایک ہیولیٰ اور ابتدائی خاکہ بن چکا ہے اور اس کے بہت سے مراحل طے ہو چکے ہیں تو قوی امید ہے کہ بقیہ جگہوں پر مرکزی انجمن کی نہج پر جو کام ہو رہے ہیں ان میں اتنا وقت نہیں لگے گا بلکہ تیز رفتاری کے ساتھ انجمن کی تاسیس سے لے کر قرآن اکیڈمی کی تعمیر اور آغاز تدریس تک کے مراحل طے کیے جا سکیں گے۔ چنانچہ کراچی میں بحمد اللہ کام کی رفتار تیز ہے۔ اب ملتان میں بھی اللہ کے فضل و کرم سے ایک اکیڈمی وجود میں آچکی ہے' اس سال رمضان میں وہاں میرا دورۂ ترجمۂ قرآن بھی ہوا ہے اور اب امید ہے کہ زیادہ سے زیادہ ایک سال میں وہاں قرآن کالج کا آغاز ہو جائے گا۔ فیصل آباد میں منسلک انجمن موجود ہے۔ وہاں اکیڈمی کے لئے بعض مخیر خواتین نے ایک خاصا وسیع قطعہ زمین ہمیں ہبہ کیا ہے اور اب وہاں بھی تعمیر کا کام شروع ہوا چاہتا ہے۔ مجھے پوری توقع ہے کہ اس سالانہ اجلاس عام کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ ان شاء اللہ العزیز پشاور' رحیم یار خان' حیدر آباد اور اسلام آباد میں بھی بہت جلد ذیلی انجمنوں کا قیام عمل میں آجائے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اسی سال کے دوران وہاں اکیڈمیز کا کام بھی شروع ہو جائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْز !

دورۂ ترجمہ قرآن —— تحریک رجوع الی القرآن کا ایک اہم سنگ میل

اسی طرح یہ بات بھی بڑی خوش آئند ہے کہ اس سال ماہ رمضان المبارک میں دورۂ ترجمۂ قرآن کا پروگرام قریباً گیارہ بارہ جگہوں پر ہوا ہے۔ اس کے ضمن میں تو مجھے کبھی کبھی حفیظ کا وہ شعر یاد آتا ہے کہ :

تشکیل و تکمیلِ فن میں جو بھی حفیظ کا حصہ ہے
نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

کیا پابندِ نَے نالے کو میں نے   یہ طرزِ خاص ہے ایجاد میری

© rasailojaraid

بغیر کسی عُجب کے محض امرواقعہ کے طور پر یہ بات عرض کی ہے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے کہ اس نے میرے ذہن کو ادھر منتقل کیا۔ نماز تراویح کے ساتھ بیان القرآن کا جب ہم نے آغاز کیا تو شروع میں تراویح کے اختتام پر یا کبھی بیچ بیچ میں پندرہ بیس منٹ یا آدھ گھنٹے کا بیان ہوتا تھا۔ اس کے بعد میرا ذہن اس حقیقت کی جانب منتقل ہوا کہ احادیث مبارکہ میں تو رمضان المبارک کے دوگونہ پروگرام کا ذکر ملتا ہے۔ دن کا روزہ اور رات کا قیام قرآن حکیم کے ساتھ' یہ دونوں بالکل متوازی پروگرام ہیں۔ اس پہلو سے محض نماز تراویح ادا کرنے یا کچھ تھوڑے بہت ایک آدھ گھنٹے کے بیان سے تو رمضان المبارک کا حق ادا نہیں ہوتا۔ چنانچہ پھر دورۂ ترجمہ قرآن کا پروگرام شروع کیا اور یہ آٹھواں یا نواں موقع تھا کہ بحمد اللہ مجھے دورۂ ترجمہ قرآن کی تکمیل کی سعادت حاصل ہوئی ـــــ اس سال یہ پروگرام پانچ جگہوں پر ہوا۔ ایک جگہ میں نے قرآن کا ترجمہ بیان کیا اور چار دیگر جگہوں پر میرے شاگردوں نے مکمل ترجمہ قرآن بیان کیا۔ مزید برآں دورانِ رمضان نماز تراویح کے ساتھ چار پانچ جگہوں پر ویڈیو کے ذریعے یہ پروگرام لوگوں نے دیکھا اور سنا۔ رجوع الی القرآن کی یہ لہر الحمد للہ بڑھ رہی ہے اور اس میں لوگوں کا قرآن سے شغف اور تعلق بڑھ رہا ہے۔ پوری رات قرآن حکیم اور اس کا مفہوم سننے سمجھنے میں جو لذت ہے اس کا اس سے پہلے لوگوں کو تجربہ نہیں تھا۔ ع چوں معاملہ نہ دارد سخن آشنا نہ باشد! جب تک باہم محبت کا رشتہ نہ ہو اس وقت تک گفتگو کے اندر بھی وہ لوچ اور مٹھاس پیدا نہیں ہوتی۔ ہاں جب قرآن پاک سے تعارف ہو جائے اور اس سے ایک تعلقِ خاطر پیدا ہو جائے تو معاملہ بالکل مختلف ہو جاتا ہے' پھر پوری رات انسان قرآن پڑھنے پڑھانے یا سننے سنانے میں گزار دیتا ہے اور یہ چیز اس پر ہرگز گراں نہیں گزرتی!

اب تک کی گفتگو کا خلاصہ

اب تک کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ الحمد للہ ہمارے اس کام میں پیش رفت ہو رہی ہے اور تین اعتبارات سے معاملہ بہت اطمینان بخش ہے۔ ایک یہ کہ گو ہمارے کام کی رفتار کچھ زیادہ تیز نہیں رہی تاہم الحمد للہ' ثم الحمد للہ اس میں تسلسل اور تواتر موجود

ہے۔ طوفان کے مانند اٹھنے اور بگولے کی طرح رخصت ہو جانے کے مقابلے میں یہ ست رفتاری کہیں بہتر ہے اور "سہج پکے سو میٹھا ہو" کے مصداق توقع ہے کہ اس سے ان شاء اللہ پائیدار نتائج پیدا ہوں گے۔ دوسری بات یہ کہ گاڑی کے دو پہیوں کی مانند ہمارے اس کام کے بھی دو بڑے بڑے گوشے ہیں اور الحمد للہ کہ ان کے مابین توازن و اعتدال برقرار ہے۔ ایک گوشہ رجوع الی القرآن کی تحریک کا ہے۔ قرآن حکیم کے نور ہدایت کو پھیلانا اور اس کے انقلابی فکر کو عام کرنا اس کے پیش نظر ہے۔ اس نور کا اتمام اللہ تعالیٰ نے فرما دیا اور اسکی حفاظت کا ذمہ بھی لے لیا' اب ہمارا کام اس کا افشاء کرنا ہے۔ اسے چہار دانگ عالم تک پھیلانا اور ہر ممکن طریقے سے اس کا ابلاغ کرنا اب ہمارے ذمے ہے۔ اس کے لئے جہاں عوامی سطح پر قرآن کے ذریعے وعظ و نصیحت کا کام ضروری ہے وہاں دانشوروں کے لئے اور Intellectuals کے لئے ان کی علمی سطح کے مطابق اس کا ابلاغ بھی اسی قدر ضروری اور لازمی ہے ---- دوسرا گوشہ اقامت دین کی جدوجہد کا ہے کہ قرآن کا پڑھنا پڑھانا اور سیکھنا سکھانا محض ایک مشغلہ بن کر نہ رہ جائے بلکہ اس تعلیم و تعلم قرآن کے ساتھ ساتھ اس کا دوسرا پہیہ بھی متوازی چلنا چاہئے۔ غلبہ و اقامتِ دین کی جدوجہد اور اس کے لئے تنظیم اور تحریک کا کام بھی متوازن انداز میں آگے بڑھنا چاہئے۔ الحمد للہ کہ یہ دونوں کام بہت حد تک متوازن انداز میں آگے بڑھ رہے ہیں۔

اور تیسری بات یہ کہ آئندہ کے تسلسل کے بارے میں بھی مجھے اطمینان ہے کہ یہ کام ان شاء اللہ العزیز جاری رہے گا اور ویسے بھی میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں اب عمر کے جس حصے میں ہوں اس کے بعد تو "نافلۃً لک" کا درجہ رہ جاتا ہے۔ اس لئے کہ ۲۶ اپریل کو میری عمر کے ساٹھ برس مکمل ہو رہے ہیں اور مسنون عمر تو کل ۶۱ برس یا ساڑھے اکسٹھ برس ہی بنتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۶۳ برس قمری حساب سے تھی' شمسی حساب سے یہ قریباً ۶۱ برس بنتے ہیں۔ میری اس بات کو غلط مفہوم میں نہ لیا جائے کہ معاذ اللہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی کوئی مشابہت ثابت کرنا چاہتا ہوں بلکہ میں دیانۃً یہ سمجھتا ہوں اور اکثر اپنے ان قریبی ساتھیوں سے یہ بات کہتا ہوں جو اب عمر کو پہنچے ہوں کہ ساٹھ اکسٹھ برس کی عمر کو پہنچنے کے بعد آدمی کو یہ سمجھنا

© rasailojaraid

چاہئے کہ مسنون عمر تو پوری ہوئی اب بقیہ زندگی بونس ہے۔ یہ "نافلۃ لک" کے درجے کی چیز ہے۔ اس کا ایک ایک لمحہ اللہ کے دین کی خدمت کے لئے صرف ہونا چاہئے۔

ہماری تحریک اور شجرۂ طیبہ کی مثال

اس ضمن میں ایک اور نکتہ اشارۃً عرض کئے دیتا ہوں اور اس میں بھی میرے لئے اطمینان کا بہت کچھ سامان مضمر ہے۔ سورۃ ابراہیم میں ایک پاکیزہ درخت کی جو مثال آئی ہے' وہ ہمارے اس کام پر بحمد اللہ بہت حد تک صادق آتی ہے: "اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ"۔۔ کسی بھی شجرۂ طیبہ یعنی پاکیزہ درخت کی یہ مثال ہے کہ اس کی جڑ مضبوطی کے ساتھ زمین میں قائم ہو اور اسکی شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہوں۔ الحمد للہ کہ ہمارے کام کی بھی یہی شان ہے۔ دعوت رجوع الی القرآن کا کام اس پوری تحریک کی جڑ کے مانند ہے جو مضبوطی کے ساتھ زمین میں پیوست ہے۔ اس میں ہماری صلاحیتیں اور ہمارے وسائل بھرپور طور پر صرف ہو رہے ہیں۔ تنظیم اسلامی اس شجرہ طیبہ کے تنے کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے برگ و بار اور اسکی شاخوں کا مقام تحریکِ خلافت کو حاصل ہے۔ اللہ کو اگر منظور ہوا تو یہ کام ضرور آگے بڑھے گا۔

میں نے اپنا یہ تجزیہ کئی مواقع پر آپ کے سامنے رکھا ہے کہ پاکستان کے استحکام اور اس کے بقا کا اگر کوئی راستہ ہے تو یہی ہے کہ یہاں وہ صحیح اور مکمل اسلامی نظام قائم ہو جس کا عنوان ہے نظامِ خلافت۔ اگر پاکستان اور اہل پاکستان کے لئے اللہ نے کسی خیر کا ارادہ فرمایا ہے تو قوی امید ہے کہ یہ تحریک آگے بڑھے گی اور سرزمین پاکستان پر نظام خلافت کا قیام و نفاذ ہوگا۔ اس لئے کہ پوری دنیا کے اوپر اسلام کا جو غلبہ ہونا ہے جس کی صریح پیشین گوئیاں حضورؐ کی احادیث میں موجود ہیں' ظاہر بات ہے کہ کسی ایک خطۂ زمین ہی سے اس عمل کا آغاز ہوگا' اور اگر اللہ کی مشیت میں یہ ہے کہ اس عمل (Process) کا نقطۂ آغاز سرزمینِ پاکستان بنے تو یقیناً غلبہ و اقامتِ دین کی یہ جدوجہد آگے بڑھے گی اور اس کی شاخیں آسمان سے باتیں کریں گی۔ ہاں ہم میں سے ہر شخص کو اپنی انفرادی حیثیت میں یہ ضرور سوچنا چاہئے کہ اس جدوجہد میں اس کا ذاتی حصہ

.com
com

(Contribution) کتنا ہے۔ اس لئے کہ اللہ کے ہاں تو حساب کتاب انفرادی بنیادوں پر ہوگا: "وَ کُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا"۔ وہاں تو ہر شخص انفرادی حیثیت میں پیش ہوگا۔ ہر شخص کو اس کا اعمالنامہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا جائے گا اور حکم ہوگا کہ: "اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا"۔ یہ تمہاری بیلنس شیٹ موجود ہے' اسے پڑھو اور آج اپنے حساب کے لئے تم خود ہی کافی ہو۔ تو ہم میں سے ہر شخص کو اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ دین کی جانب سے اس پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ انہیں ادا کر رہا ہے یا نہیں!

قرآن حکیم کی بے مثال تاثیر اور قوت تسخیر

اب تک جو باتیں میں نے عرض کی ہیں اس سے پہلے بھی مختلف مواقع پر بالخصوص ماہِ رمضان مبارک کے دوران جو مختلف اجتماعات ہوئے ان میں بیان کی ہیں۔ آج میں ایک اور اہم بات آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں جو مرکزی انجمن خدام القرآن کے حالیہ سالانہ اجتماع کے موقع پر میں بطورِ تحفہ شرکاءِ اجتماع کے سامنے رکھنا چاہتا تھا لیکن چونکہ وہاں ذیلی انجمنوں کے نمائندگان کی تقاریر زیادہ طویل ہوگئیں تو وقت کی کمی کے پیش نظر میں نے اپنی اس گفتگو کو ملتوی کردیا۔ چنانچہ وہ تحفہ میں آپ کی خدمت میں اب پیش کررہا ہوں اور وہ ہے قرآن مجید کی قوتِ تسخیر اور اس پر اعتماد اور توکل سے متعلق۔

یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ بندۂ مومن کے لئے اصل سہارا اللہ کی ذات ہے اور جہاں کوئی ظاہری اور مادی سہارا موجود نہ ہو اور بظاہر ہر طرف سے مایوسی نظر آتی ہو' ایک بندۂ مومن اللہ ہی پر توکل کرتا ہے اور اس کی رحمت کی آس لگائے رکھتا ہے۔ قرآن حکیم میں جابجا اس حقیقت کو بیان کیا گیا: "وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ" کہ اہلِ ایمان کو تو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔ لیکن میں آج جان بوجھ کر قرآن حکیم پر اعتماد اور توکل کے الفاظ استعمال کر رہا ہوں تاکہ لوگ چونکیں' ان کے ذہنوں میں سوال اٹھے اور توجہ سے اس بات کو سنیں کہ قرآن کی قوتِ تسخیر اور اس پر توکل و اعتماد کے بارے میں وہ کیا شہادتیں ہیں جو خود قرآن مجید میں وارد ہوئی ہیں۔

© rasailojarai

قرآن حکیم کی شان

شاید کچھ لوگوں کے ذہن میں یہ بات آئے کہ توکل کے لفظ کا قرآن حکیم کے ساتھ اس طور پر استعمال کچھ غیر مناسب ہے۔ لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ اس بات کو پوری وضاحت سے بیان کروں۔ دیکھئے' قرآن مجید ہی سے یہ بات ثابت ہے کہ جو تاثیر تجلیٔ ذاتِ باری تعالیٰ کی ہے وہی تاثیر قرآن مجید کی بھی ہے۔ سورۃ الاعراف میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں درخواست کی کہ **"رَبِّ اَرِنِیۡٓ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ"** کہ اے پروردگار میں تجھے بچشمِ سر دیکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بات سمجھانے کی غرض سے کہ وہ تجلیٔ ذاتِ حق کا تحمل نہ کر پائیں گے' اپنی ایک تجلی پہاڑ پر ڈالی۔ قرآن حکیم نے اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے: **"فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلۡجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّ خَرَّ مُوۡسٰی صَعِقًا"** کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی تجلیٔ ذات کے بالواسطہ مشاہدے کا تحمل بھی نہ کر سکے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ یہی بات قرآن مجید کی عظمت کے بارے میں ایک تمثیل کے پیرائے میں سورۃ الحشر میں آئی ہے: **"لَوۡ اَنۡزَلۡنَا ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیۡتَہٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡیَۃِ اللّٰہِ"** کہ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتار دیتے تو تم دیکھتے کہ وہ دب جاتا اور پھٹ جاتا اللہ کی خشیت سے۔ تو درحقیقت جو تاثیر تجلیٔ باری تعالیٰ کی ہے وہی ہیبت اور وہی دبدبہ کلامِ باری تعالیٰ کا ہے۔ ان دونوں میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ اس حقیقت کو بھی علامہ اقبال نے خوب سمجھا اور بڑی خوبصورتی سے اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے۔ میرے علم کی حد تک اس دور میں اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جس کے ذہن کی رسائی یہاں تک ہوئی ہو۔ فرماتے ہیں:

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است　　　　ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہاں و ہم پیداست ایں　　　　زندہ و پائندہ و گویاست ایں

کہ میں تم سے صاف ہی کہہ دوں جو کچھ میرے دل میں ہے۔ یہ کتاب نہیں کچھ اور ہے۔ اسے عام معنوں میں کتاب نہ سمجھو یہ "چیزِ دگر" ہے۔ یعنی جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات الظاہر بھی ہے اور الباطن بھی' اسی طرح یہ کتاب بھی بیک وقت ان دونوں متضاد صفات

کی حامل ہے۔ اور جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات الحی اور القیوم ہے اسی طرح اس کا کلام بھی زندہ و پائندہ ہے۔ قرآن حکیم کے لئے "کتابِ زندہ" کے الفاظ تو اقبال نے اور بھی کئی مقامات پر استعمال کئے ہیں۔۔

این کتاب زندہ قرآنِ حکیم حکمتِ اُولا یزال است وقدیم

بہر حال' حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کی قوتِ تسخیر کے بارے میں ہم نے بڑی ناقدری کا معاملہ کیا ہے۔ ہمیں نہ تو قرآن حکیم کی عظمت کا ادراک حاصل ہے اور نہ اس کی قوتِ تسخیر پر اعتماد۔ ہمیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ کتنی بڑی نعمت اور کیسی عظیم قوت ہے جو اللہ نے قرآن حکیم کی صورت میں ہمیں عطا فرمائی ہے۔

دو آیات ـــــ دو عظیم بشارتیں

اسی ضمن میں سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی دو آیات کے حوالے سے بھی میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی آیت تو حروفِ مقطعات پر مشتمل ہے لیکن دوسری آیت "مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى" میں ایک عظیم حقیقت کا بیان ہے۔ یہاں خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ اے نبی' ہم نے آپ پر یہ قرآن اسلئے نازل نہیں کیا کہ آپ ناکام ہوں یا بے مراد ہوں ـــــ یہاں ایک تھوڑی سی تفسیری وضاحت ضروری ہے۔ اکثر مفسرین نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ اے نبی' یہ قرآن ہم نے اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔ لفظ "تشقیٰ" کا مادہ "ش ق ی" ہے جس سے شقی کا لفظ بنتا ہے۔ یہ لفظ "سعید" کے مقابلے میں آتا ہے۔ تو شقی اس کو کہتے ہیں جو بد بخت ہو' ناکام ہو' بے مراد ہو۔ یعنی وہ شخص جس کی جدوجہد لاحاصل رہے' نتیجہ خیز نہ ہو رہی ہو' وہ شقی ہے۔ جبکہ مشقت کا لفظ "ش ق ق" کے مادے سے بنتا ہے۔ یہ دونوں مادے چونکہ ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں اور اسی قرب کے باعث ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں' شاید یہی وجہ ہے کہ اکثر مترجمین نے "لِتَشْقٰۤى" کا ترجمہ مشقت سے کیا ہے۔ تاہم مجھے ان سے اختلاف ہے۔ یہاں درحقیقت یہ بات کہی جارہی ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ قرآن آپ پر اس لئے نازل نہیں ہوا کہ آپ ناکام ہوں۔ یہ تو ضمانت ہے کامیابی کی۔ اس قرآن میں جو

© rasailojarai

قوتِ تسخیر اور جو تاثیر مضمر ہے اس کے پیش نظر یہ ممکن نہیں ہے کہ اس سب کے ہوتے ہوئے آپ ناکامی سے دوچار ہوجائیں۔ آپؐ یقیناً کامیاب ہونگے اور منزل مراد تک پہنچیں گے۔ اس دنیا میں بھی آپ کی جدوجہد کامیابی سے ہم کنار ہوگی اور آخرت میں بھی آپ کے مراتب بلند سے بلند تر ہونگے۔ شقاوت آپ کے حصے میں نہیں آسکتی، نہ اس دنیا میں نہ آخرت میں۔ یہ قرآن آپ کی کامیابی کی ضمانت ہے، یہ شقاوت کی ہر اعتبار سے نفی کرنے والا ہے۔ اب آپ غور کیجئے کہ اس میں ہر اس شخص کے لئے جو قرآن مجید کی کسی بھی درجے میں خدمت کررہا ہو، کس قدر بشارت ہے اور اس کی دلجوئی کا کتنا کچھ سامان اس میں مضمر ہے۔ **مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤى**۔ اس قرآن کی شمشیر کو ہاتھ میں لو، اس کے حقوق کو ادا کرنے کے لئے کمربستہ ہو جاؤ، تم خود اپنی آنکھوں سے اس کی قوت تسخیر کا مشاہدہ کروگے۔ اس کے اندر جو ہیبت پنہاں ہے اور اس میں جو بے پناہ تاثیر پوشیدہ ہے، قدم قدم پر اس کے مظاہر تمہارے سامنے آئیں گے اور تم بچشمِ سر ان کا مشاہدہ کرسکوگے۔

© rasailojaraid.

اس ضمن میں تیسری آیت جس کا میں حوالہ دینا چاہتا ہوں، سورۃ القصص کے آخری حصے میں وارد ہوئی ہے۔ اگرچہ تفسیری اعتبار سے اس آیت کے مفہوم کی تعیین میں بھی کچھ اختلاف کیا گیا ہے۔ فرمایا: "**اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ**" کہ اے نبی، جس ہستی نے آپ پر یہ قرآن لازم کیا ہے، اس قرآن کی تبلیغ اور اس کے ابلاغ کا فرض جس نے آپ پر عائد کیا ہے، وہ آپ کو لازماً لوٹائے گا ایک بہت بلند اور اعلیٰ لوٹنے کی جگہ کی جانب ---- بعض حضرات نے یہاں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ "معاد" سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ ان حضرات کے نزدیک اس آیت کا تعلق آپؐ کے سفر ہجرت سے ہے کہ جب آپؐ ہجرت کیلئے مدینہ تشریف لے جارہے تھے تو مشرکینِ مکہ کے تعاقب سے بچنے کے لئے کچھ دور تک آپ نے عام شاہراہ سے ہٹ کر ایک مشکل راستہ اختیار کیا تھا اس لئے کہ عام شاہراہ پر اگر آپؐ سفر کرتے تو تعاقب کرنے والوں کی نگاہ میں آجاتے۔ تو آپ نے وہ پہاڑی راستہ اختیار کیا جو بالکل غیر مستعمل اور غیر مانوس تھا۔ لیکن تقریباً ایک تہائی سفر طے کرنے کے بعد آپؐ پھر آگئے اسی شاہراہ پر کہ جو مکہ سے مدینے کی طرف جاتی تھی۔ جب آپؐ وہاں پہنچے تو چونکہ وہاں آپ کے لئے ایک دوراہے

© rasailojaraid.

کی صورت بن گئی تھی کہ ایک راستہ مکے کو جاتا تھا اور دوسرا مدینے کی جانب' تو دل میں ہوک سی اٹھی' گویا کہ مکہ نے پھر اپنی طرف کھینچا' بیت اللہ سے اور حرمِ مکی سے جو محبت محمدؐ رسول اللہؐ کو تھی' اس نے آپؐ کو وقتی طور پر بے چین کیا' اس وقت دلجوئی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی: "اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ" کہ اے نبی' آپ گھبرائیے نہیں' مکہ اور بیت اللہ سے آپ کی یہ جدائی عارضی ہوگی' ہجر کا یہ معاملہ مستقل نہیں رہے گا' یقیناً وہ رب جس نے آپ پر قرآن مجید کی تبلیغ اور اسکی دعوت کا فریضہ عائد کیا ہے وہ آپ کو لوٹا کر لے جائے گا لوٹنے کی جگہ یعنی مکہ مکرمہ!

میرے نزدیک یہ بات اپنی جگہ ایک لطیف خیال کے درجے میں تو صحیح ہے لیکن یہ کہ اگر سورۃ القصص کے زمانہ نزول کو دیکھا جائے اور بعض دیگر قرائن کو پیش نظر رکھا جائے تو اس آیت کی یہ تاویل مطابق واقعہ معلوم نہیں ہوتی۔ سورۃ القصص اپنے مضامین اور اسلوب کے اعتبار سے ان سورتوں میں شمار ہوتی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور کے درمیانی عرصے میں نازل ہوئیں۔ پھر یہ کہ یہ بات بھی بڑی قابل لحاظ ہے کہ فتح مکہ کے بعد بھی حضورؐ نے دوبارہ مکہ میں قیام اختیار نہیں فرمایا۔ حالانکہ فتح مکہ کے بعد اگر آپ چاہتے تو وہیں قیام فرماتے' مدینہ مراجعت اختیار نہ فرماتے۔ اس اعتبار سے بھی وہ تاویل خلاف واقعہ بنتی ہے۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ "معاد" سے مراد ہے آپ کا مقام' آپ کے لوٹنے کی جگہ 'اعلیٰ انجام۔ جیسے کہ سورۃ بنی اسرائیل میں بشارت کے طور پر فرمایا گیا : "عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" کہ آپؐ کو تو آپ کا رب مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ اس لئے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک شخص قرآن کی دعوت و تبلیغ میں لگا ہوا ہو' لوگوں کو قرآن حکیم کی طرف بلانے میں وہ رات دن ایک کر رہا ہو اور پھر وہ ناکام ہو جائے! نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ "اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ"۔ اے نبی' یقیناً ایک بہت اعلیٰ انجام سے آپ دوچار ہوں گے' آپ کی جدوجہد کا ایک بہت اعلیٰ نتیجہ نکلے گا جس سے کہ آپ ہم کنار ہونگے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں آیات قرآن مجید کے بارے میں بڑی عظیم بشارتوں پر مشتمل ہیں۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid

میری زندگی کے دو عجیب واقعات

اس دوسری آیت کے بارے میں جب میں سوچ رہا تھا تو مجھے اپنی زندگی کا ایک واقعہ یاد آیا۔ بلکہ چونکہ آج دو چیزوں کا تذکرہ چل رہا ہے یعنی مرکزی انجمن اور تنظیم اسلامی تو اس مناسبت سے دو ہی واقعات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ان دونوں کا تعلق ۷۲ء سے ۷۵ء تک کے عرصے سے ہے جب مرکزی انجمن قائم ہوئی اور تنظیم اسلامی کے قیام کے لئے میدان ہموار ہو رہا تھا۔ ان میں سے ایک واقعہ در اصل ایک خواب ہے جس کا تذکرہ میں کچھ ڈرتے اور جھجکتے ہوئے کر رہا ہوں کہ کہیں لوگ یہ خیال نہ کریں کہ اب یہ بھی خوابوں کی دنیا میں آ گیا۔ میں جس خواب کا ذکر کر رہا ہوں وہ آج سے بیس برس پہلے کا ہے اور اس سے قبل بعض قریبی احباب کو میں نے سنایا بھی ہے۔ جس زمانے میں میں تنظیم اسلامی کے قیام کے بارے میں سوچ بچار کر رہا تھا اور تقریباً اس کے قیام کا فیصلہ کر چکا تھا میں نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں مر گیا ہوں اور میں اپنے جنازے کا منظر بھی ایک چشم دید گواہ کی حیثیت سے خود کھڑا دیکھ رہا ہوں۔ میں اپنی موت کے تمام مراحل کا یہاں تک کہ قبر میں اتارے جانے کا بھی خود مشاہدہ کر رہا ہوں۔ یہ ایک عجیب تجربہ تھا کہ میری نگاہوں کے سامنے مجھے قبر میں اتارا جا رہا تھا۔ میں نے اسی وقت بعض بزرگوں سے اس خواب کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ ایک بہت بڑی بشارت ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ تمہاری زندگی کا ایک دور ختم ہو گیا ہے اور دوسرا دور اب شروع ہوا چاہتا ہے۔ ایک عزم مصمم کے ساتھ اقامت دین کی تحریک کے از سر نو آغاز کرنے کا جو ارادہ کر لیا ہے یہ در حقیقت اس بات کے مترادف ہے کہ ایک زندگی ختم ہوئی اور ایک بالکل نیا دور اب شروع ہو رہا ہے۔ (واللہ اعلم)

دوسرا واقعہ بھی میری ایک ایسی کیفیت سے متعلق ہے جو بیداری اور نیند کے بین بین تھی۔ واقعے کے سرور اور لذت کا ابھی تک مجھے احساس ہوتا ہے۔ یہ خواب نہیں تھا بلکہ ایک خاص کیفیت تھی جو نیم غنودگی کی حالت میں مجھ پر طاری ہوئی۔ کچھ "بَینَ النَّوم وَالیَقظۃ" کا سا معاملہ تھا۔ نیند اور بیداری کے مابین ایک کیفیت میں مَیں محسوس کرتا ہوں کہ لگاتار ایک آواز میرے کان میں آ رہی ہے۔ کوئی مسلسل مجھے یہ الفاظ قرآنی سنا رہا

© rasailojaraid

ہے کہ: "اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ" اس کے بعد جب میں پوری طرح بیدار ہوا تو ایک عجیب سرور ' انبساط اور انشراح کی کیفیت جن کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں ' متعدد کئی روز تک بلکہ کافی عرصے تک مجھ پر طاری رہی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت مجھے تلاش کرنا پڑا تھا کہ یہ آیت قرآن حکیم کے کس حصے اور کس سورۃ میں ہے۔ اس لئے کہ میرا معاملہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا باضابطہ مطالعہ تو اگرچہ بحمد اللہ زمانہ طالب علمی سے جاری ہے لیکن زیادہ تفصیلی غور و فکر کا اصل موقع مجھے اپنے سلسلہ وار درس قرآن حکیم کے ساتھ ملا' بالخصوص تفسیری اختلافات اور مختلف آراء کے مابین اپنی آخری رائے میں نے زیادہ تر اپنے مسلسل درس کے دوران ہی قائم کی ہے۔ اور اُس وقت جبکہ میں اس دلفریب تجربے سے گزرا میرا درس' قرآن حکیم کے اِس مقام تک نہیں پہنچا تھا۔ اگر تو ایسا ہوتا کہ سورۃ القصص انہی دنوں میرے زیر درس ہوتی اور اس دوران میرے ذہن پر یہ کیفیت طاری ہوتی تو شاید میں اس کی کوئی دوسری تاویل کرتا۔ لیکن چونکہ یہ بات نہیں تھی لہٰذا اسے میں نے اپنے حق میں بہت بڑی بشارت سمجھا' سرور وانبساط کی کیفیت دیر تک مجھ پر طاری رہی اور "اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ" کی مٹھاس اور حلاوت کا تاثر ایک عرصے میرے قلب و ذہن کو فرحت بخشتا رہا۔

ذہن و قلب پر قرآن حکیم کا تسلط اور اس کے مظاہر

قرآن حکیم کی قوتِ تسخیر کے ضمن میں ایک اصطلاح میں استعمال کیا کرتا ہوں کہ قرآن اپنے طالب کو Possess کر لیتا ہے' اس کے ذہن و قلب کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ میرے بعض ساتھی یہی لفظ میرے لئے استعمال کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ میرا اپنا احساس یہ ہے کہ میں اگر اس کیفیت سے نکلنا یا نکلنے کی غرض سے ہلنا بھی چاہوں تو ہل نہیں سکتا۔ اسلئے کہ جس طریقے سے میں اللہ کے فضل و کرم سے اس کام میں لگا ہوں اس طور سے کام اپنے کسی ارادے اور منصوبے کے تحت نہیں ہوا کرتے۔ ایسی کیفیت تو اسی شخص کی ہو سکتی ہے جو کسی عظیم قوتِ تسخیر کے زیر اثر کسی شکنجے میں آگیا ہو' جکڑا گیا ہو۔ حالانکہ ایسا بھی ہوا کہ کئی کام جو میں نے بالارادہ شروع کئے' کوشش کے

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

باوجود میں انہیں مکمل نہیں کرسکا۔ مثلاً ایک موقع پر میں نے اپنے ذاتی حالات لکھنے شروع کیے لیکن وہ سلسلہ بیچ ہی میں کہیں رک گیا۔ خدمتِ قرآنی کا کام بھی اگر میں محض اپنے ارادے کے تحت کرتا تو اس طور سے ہرگز نہ کرپاتا جیسا کہ اللہ نے مجھ سے کروایا ہے۔ اللہ کی تائید و توفیق قدم قدم پر میرے شامل حال رہی۔ میں نے جب اپنی میڈیکل پریکٹس بند کی تو کوئی ذریعۂ معاش میرے پاس تھا نہ کوئی جائیداد میرے پاس موجود تھی۔ لیکن یہ کہ توفیق الٰہی سے یہ طے کرلیا تھا کہ اب جسم و جان میں جو بھی توانائی اور رمق باقی ہے وہ اسی کام میں لگے گی۔ میرے پاس کرشن نگر میں اپنی رہائش کے لئے بس ایک مکان تھا (جسے بعد میں بیچ کر اکیڈمی کے سامنے مکان بنوایا) اس کے سوا اور کوئی جائیداد میرے پاس موجود نہیں تھی لیکن یہ کہ اللہ نے ہمت دی اور میں نے طے کرلیا کہ آئندہ زندگی کا کوئی لمحہ اب تلاشِ معاش میں صرف نہیں ہوگا' سارا وقت اور صلاحیتیں معاد کے حصول میں صرف ہوں گی۔ ظاہر بات ہے کہ یہ فیصلہ آسان نہیں تھا۔ میرے پاس اگر وسائل ہوتے جاگیریں ہوتیں اور ان کے بل پر میں یہ فیصلہ کرتا تو معاملہ مختلف ہوتا۔ الحمد للہ میرے چار بھائی ہیں اور بعض نے مختلف مواقع پر مجھ سے تعاون بھی کیا ہے لیکن اتفاق کی بات ہے کہ اُس وقت سب بھائیوں کے ساتھ میرے تعلقات کشیدہ تھے۔ چنانچہ اپنے کسی بھائی کا تعاون مجھے اس وقت حاصل نہیں تھا۔ بڑے بھائی کے ساتھ تو بعد میں بھی اسطرح کے حالات نہیں رہے کہ ان کی جانب سے تعاون کا معاملہ ہوتا' چھوٹے بھائی اقتدار احمد نے البتہ تعاون کیا لیکن اس کی نوبت بہت بعد میں آئی۔ انہوں نے بعد میں ایک موقع پر جب مجھے یہ آفر کی کہ میں آپ کے کام میں شریک ہونا چاہتا اور آپ کے ساتھ تعاون کرنا چاہتا ہوں تو پہلی بات میں نے ان سے یہ کہی اگر تو صرف بھائی ہونے کے ناطے سے تعاون کرنا چاہتے ہو تو مجھے قبول نہیں' ہاں اگر تمہیں میرے اس مشن کے ساتھ کوئی دلچسپی ہے اور اس میں تعاون کرنا چاہتے ہو تو سر آنکھوں پر۔ بہرحال میں سمجھتا ہوں کہ یہ قرآن کی قوت تسخیر ہی کا اثر تھا کہ کسی قسم کے معاشی وسائل نہ رکھتے ہوئے بھی اور کسی دنیاوی سہارے کے موجود نہ ہوتے ہوئے بھی میں نے اپنی میڈیکل پریکٹس کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کرلیا اور دعوت رجوع الی القرآن کے کام میں ہمہ وقت مشغول ہوگیا۔ اسے اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ قرآن ہی نے مجھے Possess کرلیا تھا اور

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

میرے ذہن و قلب کو پورے طور پر اپنی گرفت میں لے لیا تھا!

رسول اور کتاب ۔۔۔ ایک حیاتیاتی وحدت

اسی ضمن میں ایک اور بات کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں' اگرچہ یہ ایک نازک سا مسئلہ ہے۔ میرے درس قرآن سننے والے اکثر حضرات کے علم میں ہے کہ اہم مضامین قرآن مجید میں تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں۔ ان میں سے ایک اہم مضمون یہ بھی ہے کہ "رسول" اور "کتاب" دونوں مل کر ایک حیاتیاتی اکائی (Organic Whole) کی مانند ایک وحدت بنتے ہیں۔ اور دنیا میں جو بھی خیر وجود میں آتا ہے اور جو بھی انفرادی یا اجتماعی تبدیلی رونما ہوتی ہے وہ درحقیقت ان دونوں کی مشترک تاثیر کا نتیجہ ہے۔ اب میں قرآن حکیم کے ان دو مقامات کا حوالہ دوں گا جہاں رسول اور کتاب کو ایک وحدت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ البینہ میں فرمایا گیا:

© rasailojaraid.

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝

"نہیں تھے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا مشرکین میں سے اور اہل کتاب میں سے باز آنے والے جب تک کہ ان کے پاس 'بینہ' (یعنی واضح دلیل) نہ آجاتی۔"

اگلی آیت "بینہ" کی وضاحت پر مشتمل ہے:

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝

"(یعنی) ایک رسول اللہ کی طرف سے پڑھتا ہوا (اللہ کے) پاکیزہ صحیفوں کو جن میں محکم کتابیں ہیں"۔

گویا کہ "رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ" اور "صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ" یہ دونوں مل کر "بَیِّنَہ" بنتے ہیں۔

اس کی دوسری مثال سورۃ الطلاق میں ہے' جہاں فرمایا گیا:

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ

© rasailojaraid.

"ہم نے تمہاری طرف ایک ذکر نازل کردیا ہے(یعنی) ایک رسول جو تمہیں پڑھ کر سناتا ہے اللہ کی واضح آیات تاکہ وہ ان لوگوں کو جو ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کریں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے!"

تو معلوم ہوا کہ "ذکر" بھی رسول اور کتاب کا دونوں کا مرکب ہے اور "بینہ" بھی۔ اور یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ دو اجزاء پر مشتمل کسی مرکب کے ایک جزء کو اگر آپ زیادہ اہمیت دے دیں گے تو دوسرے جزء کی اہمیت اسی نسبت سے کم ہو جائے گی۔ اگر آپ ایک جزء کو زیادہ Emphasize کردیں گے تو اس کا منطقی نتیجہ نکلے گا کہ دوسرا جز پس منظر میں چلا جائے گا اور ان دونوں اجزاء کی جو مشترک تاثیر ہے وہ برقرار نہیں رہے گی۔ یہی حادثہ اس امت کے اندر بھی پیش آیا اور "رسول" اور "کتاب" پر مشتمل مرکب کے دونوں اجزاء کی اہمیت میں دو اعتبارات سے کمی بیشی کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک انتہا پر منکرین حدیث اور منکرین سنت ہیں جو رسول کی اہمیت کم کردیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اصل شے کتاب ہی ہے اور رسول کی حیثیت گویا محض ڈاک کے ہرکارے کی ہے۔ جیسے چٹھی رسان کا کام چٹھی پہنچانا ہوتا ہے جو اصل اہمیت کی حامل ہوتی ہے' اسی طرح رسول کا کام اللہ کا پیغام پہنچادینا ہے سو وہ اس نے پہنچادیا۔ اب اصل شے یہ قرآن ہے ' لہٰذا اصل اہمیت اسی کی ہے۔یہ بات بظاہر بڑی دل کو لگتی ہے' لیکن یہ درحقیقت "کلمۃ حقٍ اُرید بھا الباطل" والا معاملہ ہے ' یعنی بات تو درست ہے' لیکن اس سے جو نتیجہ نکالا جانا مقصود ہے وہ باطل ہے۔ اس لئے کہ اس طرح نبیؐ کی ذات کی نفی کی جارہی ہے' ان کی سنت کی حجیت کا انکار کیا جارہا ہے ' اور قرآن کی جو تشریح و توضیح آپؐ نے اپنے قول و عمل سے فرمائی ہے اس کو نظرانداز کیا جارہا ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا پہلو بھی اسی درجے انتہا پسندانہ ہے۔ یہ بات ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب نے اپنی کتاب میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ بیان کی ہے کہ یہ جو مرکب ہے رسول اور قرآن کا' عام مسلمانوں نے اس میں سے رسول کی ذات کو اتنی زیادہ اہمیت دی ہے کہ دوسرے جزء یعنی قرآن کی اہمیت کی نفی ہوگئی ہے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ جو بھی تربیتی' اصلاحی اور انقلابی کام ہوا وہ رسولؐ کی صحبت سے ہوا۔ اس تاثر سے قرآن کی تاثیر کی نفی ہو جاتی ہے۔ یہ بات ذرا باریک بھی ہے اور نازک اور حساس بھی' لیکن میں چاہتا

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

ہوں کہ ان حقائق کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ اس سے ایک عام مسلمان کو یہ مغالطہ لاحق ہو سکتا ہے کہ شاید اس طرح حضورؐ کی توہین کی جا رہی ہے' معاذ اللہ ثم معاذ اللہ' لیکن دراصل اس معاملے میں توازن کی ضرورت ہے۔

دیوانہ بکارِ خویش ہوشیار!

عوامی سطح پر ہمارے جو دینی تصورات ہیں ان میں عمل سے فرار کا عنصر بہت نمایاں ہے۔ اس کا ایک مظہر یہ ہے کہ نبی کو اتنا اونچا کرو' اتنا اونچا کرو کہ خدا کے برابر بٹھا دو۔ تو جب خدا کے برابر بٹھا دو گے تو اب اتّباع کا سوال ہی نہیں ہے۔ اب تو حمد ہی ہو سکتی ہے' تعریف ہی ہو سکتی ہے' آپؐ کی شان میں نعت کہی جا سکتی ہے' لیکن آپؐ کا اتباع تو نہیں ہو سکتا۔ اتّباع تو کسی انسان ہی کا ہو سکتا ہے' کسی معبود کا تو نہیں ہو سکتا۔ آپ اللہ کا اتباع نہیں کر سکتے۔ اللہ کی اطاعت کریں گے' اللہ کی عبادت کریں گے' اتّباع تو نہیں کر سکتے۔ چنانچہ یہ جو کیا گیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا بنا دیا گیا یہ بھی درحقیقت انسان کی وہی چالاکی ہے کہ اگر ہم نے انہیں انسان کی سطح پر رکھا پھر تو ان کی پیروی لازم ہو جائے گی۔ اگر وہ انسان ہی تھے پھر تو ان کا اتباع ضروری ہے پھر تو ان کے نقشِ قدم پر چلنا لازم ہو گا۔ لہٰذا انہیں اٹھاؤ اور اٹھا کر معبودوں کی فہرست میں شامل کر دو۔ اسے کہتے ہیں "دیوانہ بکارِ خویش ہوشیار!" چنانچہ یہ یوں ہی نہیں ہوا ہے کہ بس نعتیں پڑھ لیں تو حضورؐ کا حق ادا ہو گیا۔ باقی کہاں ہم' کہاں حضورؐ کا مقام۔ ہم سے آپؐ کا اتباع کیسے ممکن ہے؟ یہ کہا اور فارغ ہوئے ع عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ!

قرآن سے بے اعتنائی کی مختلف وجوہات

اس کے علاوہ متعدد دیگر عوامل ہیں جو قرآن کریم کی اہمیت کو کم کرنے اور اسے مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل رکھنے کا سبب بنے ہیں۔ اور یہ ایک منظم سازش کے تحت کیا گیا ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم نے اس موضوع پر ایک مقالہ تحریر کیا تھا جو ہمارے پرچے میں شائع بھی ہوا تھا' اس میں انہوں نے دلائل سے یہ بات ثابت کی تھی کہ یہ معاملہ از خود نہیں ہوا بلکہ قرآن کو منظر سے ہٹانے کی اور اس کی تعلیمات کو

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنے کی دانستہ کوششیں کی گئیں۔ عوام الناس پر ظلم ڈھانے والے اور ان کے حقوق غصب کر کے خود عیاشیاں کرنے والے سلاطین و ملوک اور جاگیردار و سرمایہ دار نہیں چاہتے تھے کہ قرآن کا انقلابی فکر لوگوں کے سامنے آئے۔ ع "چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب!"[۲۹] نہیں اندازہ تھا کہ اگر یہ کتاب اور اسکی روشن تعلیمات لوگوں کی نگاہوں میں آگئیں تو ہم ننگے ہو جائیں گے' لوگوں کی آنکھیں کھل جائیں گی اور ہمارے استحصالی نظام کے بخیے ادھڑ جائیں گے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اسے بند رکھو' اسے صرف حصولِ ثواب کا ذریعہ بنادو' گاہے بگاہے ختمِ قرآن یا ایصالِ ثواب کی محفلیں منعقد کرلی جائیں' کچھ کھانے پینے کا سلسلہ ہو جائے' اللہ اللہ اور خیر سلّا! تو یہ سب کچھ در حقیقت ایک سازش کے تحت ہوا ہے۔

اس کے ساتھ ہی ایک معاملہ یہ بھی ہوا کہ جب تاثیرِ قرآن کی طرف سے توجہ ہٹ گئی اور ایمان کے حصول کا صرف ایک ہی ذریعہ یعنی تاثیرِ صحبتِ محمدیؐ ذہنوں میں باقی رہ گیا تو یہ مسئلہ کھڑا ہو کہ صحبتِ محمدیؐ تو ہمیں حاصل نہیں ہے' اب کیا کیا جائے!—— چنانچہ اس کی تلافی کے لئے یہ مراقبے' یہ سارے اوراد و اشغال اور یہ تپسّیائیں اور ریاضتیں' غرضیکہ ایک لمبا چوڑا طومار وجود میں لایا گیا۔ یہ سب کچھ محض اس دلیل پر ہوا کہ جو اصل عامل تھا یعنی "تاثیر صحبتِ نبویؐ" وہ تو ہمیں حاصل نہیں ہے لہٰذا اسکا کوئی نہ کوئی بدل ہونا چاہئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ اشغال اور ریاضتیں اور یہ چالیس چالیس برس کی بادیہ پیمائی اور نفس کشی کے یہ مختلف انداز' یہ سب چیزیں ہمارے عوام میں اعلیٰ اقدار شمار ہونے لگیں۔ لوگوں کی دینداری کو اسی پیمانے سے ناپا جانے لگا اور اس چیز نے ہمارے دینی فکر کو اس کے اصل مرکز و محور یعنی قرآن حکیم سے ہٹادیا۔ اس کا اصل سبب یہی ہے کہ ہم نے رسول اور کتاب کے مرکب میں سے کتاب کی قوت تاثیر کو منہا کردیا۔ یہ ہم سب کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے جس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اصل فیصلہ کن شے قرآن ہے!

اب آیئے اس سلسلے کی تیسری آیت کی طرف جو سورۃ بنی اسرائیل کے آخری

میں وارد ہوئی ہے:

وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ○

"اے نبی ہم نے اس قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا اور یہ حق کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر بشیر اور نذیر بنا کر۔"

یہاں بھی آپ دیکھئے کہ قرآن حکیم اور نبی اکرمؐ دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ ہے۔ بالخصوص قرآن حکیم کا ذکر جس زور دار اور فیصلہ کن انداز میں یہاں آیا ہے وہ بہت قابل توجہ ہے۔ قرآن حکیم کے لئے "بالحق" کی تکرار اسکی غیر معمولی اہمیت و عظمت کو ظاہر کر رہی ہے۔ اس حوالے سے اسی نکتے کی جانب میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ اصل فیصلہ کن شے یہ قرآن ہے۔ چنانچہ یہی وہ شے ہے جس کے لئے بقا اور دوام ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن حکیم میں ایک مقام پر یہ الفاظ بھی آئے ہیں: "اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ" کہ اے نبی آپ کا بھی انتقال ہو جائے گا اور یہ لوگ بھی مرجائیں گے۔ لیکن نوع انسانی کا تسلسل تو قیامت تک باقی ہے، ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اصل شے کونسی شے ہے؟ یہی قرآن، جس کو بقا اور دوام حاصل ہے۔ اصل قوتِ تسخیر اس قرآن میں ہے۔ یہ قرآن لوگوں کو Possess کرے گا، ان کے ذہنوں کو اپنی گرفت میں لے کر ان کے باطن میں انقلاب برپا کرے گا۔ جو اس قرآن کی راہنمائی سے فائدہ اٹھائیں ان کے لئے بشارتیں بھی اسی قرآن میں موجود ہیں۔ اور جو اس سرچشمۂ ہدایت کو رد کردیں ان کے لئے تنبیہہ اور وارننگ ہے کہ ایک دردناک عذاب ان کا منتظر ہے:

"اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا ○ وَّ اَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا"

حاصل کلام یہ ہے کہ اصل تاثیر اور قوت تسخیر اس قرآن میں ہے جس کے لئے الفاظ آئے: "وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ" اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا: "وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا" کہ اے نبیؐ، بشارت دینا اور انذار کرنا آپ کا کام ہے گویا اصل قوت اور طاقت اس قرآن میں ہے جو اللہ کا کلام ہے!

(جاری ہے)

© rasailojaraid

ہر مسلمان پر

حسبِ صلاحیت واستعداد

قرآن مجید

کے مندرجہ ذیل پانچ حقوق عائد ہوتے ہیں

① — ایمان و تعظیم — یہ کہ اُسے مانے

② — تلاوت و ترتیل — یہ کہ اُسے پڑھے

③ — تذکّر و تدبّر — یہ کہ اُسے سمجھے

④ — حکم و اقامت — یہ کہ اُس پر عمل کرے

⑤ — تبلیغ و تبیین — یہ کہ اُسے دوسروں تک پہنچائے

ان حقوق سے واقفیت اور آگاہی حاصل کرنے کے لیے

جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی شہرۂ آفاق تالیف

”مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق“

کا مطالعہ ان شاء اللہ العزیز بے حد مفید ہوگا

.com